



## فیض احمد فیض کی غزل میں رومانوی علامتوں کی سیاسی معنویت: غم جاناں سے غم دوراں تک *Political Significance of Romantic Symbols in the Ghazals of Faiz Ahmed Faiz: From Gham-e-Janaan to Gham-e-Duraan*

مہوش رانی

پی ایچ ڈی: اسکالر، شعبہ اردو عبادت انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد عارف فرہاد

ایسوسی ایٹ پروفیسر: شعبہ اردو عبادت انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

نصیر احمد

پی ایچ ڈی: اسکالر، شعبہ اردو عبادت انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

### Abstract

This research examines the political significance of romantic symbolism in the ghazals of Faiz Ahmed Faiz. Faiz is widely recognized for combining traditional romantic expression with social and political consciousness. His poetry transforms the conventional themes of love, separation, longing, and beauty into broader expressions of collective suffering. This study focuses on the transition from Gham-e-Janaan to Gham-e-Duraan in selected ghazals of Faiz. It explores how romantic symbols acquire political and revolutionary meanings within his poetic discourse. The study particularly examines symbols such as the beloved, separation, night, dawn, chains, flowers, and spring. These symbols are analyzed in relation to oppression, injustice, freedom, resistance, and social change. The research argues that Faiz does not abandon the traditional aesthetics of Urdu ghazal but reinterprets them in a contemporary political context. His romantic vocabulary becomes a powerful medium for expressing the pain and aspirations of the oppressed. The study also highlights the relationship between individual emotions and collective historical experiences in Faiz's poetry. Through a textual and critical analysis of selected ghazals, the research demonstrates the multidimensional nature of Faiz's poetic symbolism. It concludes that the transformation of romantic imagery into political expression is a distinctive feature of Faiz's contribution to modern Urdu poetry.

**Keywords:** Faiz Ahmed Faiz, Urdu Ghazal, Romantic Symbolism, Political Consciousness, Gham-e-Janaan, Gham-e-Duraan, Resistance, Revolution, Social Justice.

فیض احمد فیض اردو ادب کی تاریخ میں جدید شاعری کے ایک ممتاز اور منفرد شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں حسن و عشق کی روایتی جمالیات کے ساتھ ساتھ سماجی، سیاسی اور انسانی شعور کی گہری ترجمانی ملتی ہے۔ فیض نے غزل کی مروجہ رومانوی علامتوں کو محض ذاتی جذبات و احساسات کے اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہیں اجتماعی زندگی کے مسائل اور انسانی دکھوں سے مربوط کیا۔ ان کے ہاں محبوب، ہجر، شب، سحر، گل، بہار اور زنجیر جیسی علامتیں اپنے روایتی مفہیم سے آگے بڑھ کر سیاسی، سماجی اور انقلابی معنویت اختیار کرتی ہیں۔ یوں ذاتی محبت اور انفرادی غم بتدریج اجتماعی دکھ، محرومی اور مزاحمت کی علامت بن جاتے ہیں۔ فیض کی شاعری میں رومان اور سیاست کا یہ امتزاج ان کے فنی شعور اور فکری بصیرت کی نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ محبت کے جذبات کو انسانی آزادی، انصاف اور معاشرتی تبدیلی کی خواہش سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔ اس تحقیق



میں فیض کی غزل کے منتخب اشعار کی روشنی میں رومانوی علامتوں کے سیاسی مفہیم کا جائزہ لیتے ہوئے غم جاناں سے غم دوراں تک کے معنوی سفر کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

### فیض احمد فیض کی حیات، عہد اور ادبی مقام

فیض احمد فیض (1911ء-1984ء) اردو ادب کے ان ممتاز شعرا میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے بیسویں صدی کی اردو شاعری کو ایک نئی فکری، سماجی اور سیاسی جہت عطا کی۔ ان کی ادبی شخصیت کی تشکیل ایک ایسے عہد میں ہوئی جب برصغیر سیاسی غلامی، آزادی کی جدوجہد، معاشرتی ناہمواری اور نوآبادیاتی نظام کے اثرات سے گزر رہا تھا۔ فیض نے اس تاریخی اور سماجی ماحول کو محض ایک خارجی واقعے کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اسے اپنے شعری تجربے کا حصہ بنایا۔ ان کی شاعری میں فرد کے جذبات، عشق و محبت، انسانی محرومی اور اجتماعی دکھ ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔

اسی وجہ سے ان کے ہاں ذاتی تجربہ رفتہ رفتہ اجتماعی تجربے کی صورت اختیار کرتا ہے۔ فیض کی ابتدائی شعری روایت میں رومانوی احساسات اور کلاسیکی غزل کی جمالیاتی فضا نمایاں ہے، تاہم ان کے فکری ارتقا کے ساتھ یہی رومانوی عناصر سماجی اور سیاسی معنویت اختیار کرتے گئے۔ Estelle Dryland<sup>1</sup> نے فیض کے ادبی مقام کو سماجی حقیقت نگاری کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے اور ان کی شاعری کو اس وسیع تر سماجی شعور سے وابستہ کیا ہے جس میں انسانی زندگی کے مسائل مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ فیض کی شاعری کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ اردو غزل کی صدیوں پرانی علامتی اور استعاراتی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں نئے تاریخی مفہیم پیدا کرتے ہیں۔ محبوب، ہجر، رات، صبح، گل، بہار، زنداں اور زنجیر جیسی علامات ان کے ہاں صرف عشقیہ کیفیتوں کی نمائندہ نہیں رہتیں بلکہ ظلم، محرومی، آزادی، امید اور مزاحمت کے وسیع تر تصورات سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ Gopi Chand Narang کی اردو غزل کے حوالے سے اہم تحقیق میں بھی غزل کے کلاسیکی تصورات عشق، حسن، خودی، استعارے، علامت اور پیکر تراشی کے ساتھ ترقی پسند شعری روایت اور فیض احمد فیض کو بیسویں صدی کے اہم شعری منظر نامے میں شامل کیا گیا ہے۔ فیض کی یہی فنی خصوصیت انہیں محض سیاسی شاعر قرار دینے کے بجائے ایک ایسے تخلیق کار کے طور پر سمجھنے کی بنیاد فراہم کرتی ہے جس نے رومان اور انقلاب، جمالیات اور حقیقت، فرد اور معاشرے کے درمیان ایک با معنی رشتہ قائم کیا۔<sup>2</sup> ان کی شاعری میں محبت انسانی زندگی سے الگ کوئی محدود جذبہ نہیں بلکہ انسانی آزادی اور بہتر معاشرتی مستقبل کی آرزو سے جڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ فیض کا ادبی مقام اسی فکری اور فنی امتزاج کے باعث منفرد قرار پاتا ہے اور ان کی غزل جدید اردو شاعری میں رومانوی علامتوں کی نئی معنوی تشکیل کی ایک اہم مثال بن جاتی ہے۔

### فیض کی فکری و نظری تشکیل

فیض احمد فیض کی فکری و نظری تشکیل مختلف علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی عوامل کے باہمی اثرات کا نتیجہ تھی۔ ان کی ابتدائی علمی تربیت نے انہیں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی ادب کی کلاسیکی و جدید روایت سے گہری وابستگی عطا کی، جس کے باعث ان کے شعری شعور میں مشرقی تہذیبی ورثے اور جدید فکری رجحانات کا حسین امتزاج پیدا ہوا۔ فیض کی فکری سمت پر ان کے عہد کے سیاسی حالات اور سماجی ناہمواریوں کا بھی گہرا اثر پڑا، جس نے انہیں ادب کو انسانی زندگی کے بنیادی مسائل سے وابستہ کرنے کی طرف مائل کیا۔ ان کے ہاں محبت، حسن اور فرد کے جذبات اپنی انفرادی حدود سے نکل کر انسان، معاشرے اور اجتماعی زندگی کے وسیع تر مسائل سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ Farooq Sulehria کے مطابق فیض مارکسی فکر، صحافت، مزدور تحریک اور ترقی پسند ادبی سرگرمیوں سے وابستہ ایک اہم فکری شخصیت تھے۔ تاہم فیض کی نظریاتی وابستگی ان کی شاعری میں محض سیاسی نعرے کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے جمالیاتی اور علامتی اظہار کے ذریعے شعری تجربے میں ڈھالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں روایتی

<sup>1</sup> Dryland, Estelle. Faiz Ahmad Faiz (1911–1984): Urdu Poet of Social Realism. Lahore: Vanguard Books, 1993, 306 p.

<sup>2</sup> Narang, Gopi Chand. The Urdu Ghazal: A Gift of India's Composite Culture. Translated by Surinder Deol. Oxford University Press, 2020.



رومانوی الفاظ اور علامتیں نئے سماجی و سیاسی مفہیم پیدا کرتی ہیں۔ فیض کی فکری تشکیل کا بنیادی وصف انسان دوستی، آزادی، مساوات، انصاف اور ظلم کے خلاف مزاحمت ہے، جو ان کے شعری نظام کو ایک وسیع انسانی معنویت عطا کرتا ہے۔ اس فکری پس منظر کو سمجھنا اس امر کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ فیض نے غزل کی رومانوی علامتوں کو کس طرح ذاتی تجربے سے نکال کر اجتماعی شعور اور سیاسی معنویت سے ہم آہنگ کیا۔

### ترقی پسند تحریک اور فیض کی شعری فکر

ترقی پسند تحریک نے برصغیر کے اردو ادب میں ادب اور معاشرے کے باہمی تعلق کو ایک نئی فکری سمت عطا کی اور فیض احمد فیض اس تحریک کے اہم شعرا میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ترقی پسند مصنفین کی تحریک کا باقاعدہ ادبی اظہار 1936ء میں لکھنؤ کے اجلاس سے ہوا، جس نے ادب کو سماجی تبدیلی، انسانی مساوات اور ظلم و استحصا کے خلاف شعور سے وابستہ کرنے پر زور دیا۔ فیض نے اس فکری ماحول کو قبول کرتے ہوئے اپنی شاعری میں فرد کے ذاتی تجربے کو اجتماعی زندگی کے مسائل سے مربوط کیا۔ ان کے نزدیک عشق اور انسانی دکھ ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک ہی وسیع انسانی تجربے کے مختلف پہلو ہیں۔ یہی تصور ان کی معروف نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ" میں نمایاں ہوتا ہے، جہاں ذاتی عشق کے روایتی تصور سے آگے بڑھ کر معاشرے کے محروم اور مظلوم انسانوں کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔<sup>4</sup> نظم میں شاعر کہتا ہے: "اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا"، جس سے واضح ہوتا ہے کہ محبوب کا ذاتی حسن اب معاشرتی کرب کے وسیع تر منظر نامے کے سامنے ایک نئے تناظر میں دیکھا جا رہا ہے۔ فیض کی یہ فکری تبدیلی ترقی پسند شعری روایت کے اس بنیادی رجحان سے ہم آہنگ ہے جس میں رومانوی احساس کو سماجی حقیقت اور اجتماعی شعور سے مربوط کیا گیا۔ Rakhshanda Jalil نے بھی ترقی پسند شاعری کے مطالعے میں فیض کو ان اہم شعرا میں شامل کیا ہے جنہوں نے 1930ء اور 1950ء کے درمیان شاعری کو آزادی، سماجی تبدیلی اور تاریخی شعور کے مباحث سے جوڑا۔ اس طرح ترقی پسند تحریک فیض کے لیے محض ایک سیاسی یا ادبی وابستگی نہیں رہی بلکہ ان کے شعری وژن کی تشکیل کا ایک بنیادی ذریعہ بنی، جس نے ان کے رومانوی اسلوب کو اجتماعی انسانی احساس اور مزاحمتی شعور سے ہم آہنگ کیا۔

### اردو غزل کی رومانوی روایت اور فیض

اردو غزل کی بنیادی فنی روایت میں عشق، حسن، محبوب، ہجر، وصال، انتظار اور فراق جیسے موضوعات کو ہمیشہ مرکزی اہمیت حاصل رہی ہے۔ کلاسیکی غزل میں محبوب اگرچہ اکثر ایک مثالی اور مجرد کردار کے طور پر سامنے آتا ہے، تاہم اسی روایتی پیکر کو مختلف ادوار کے شعرانے اپنے عہد کے فکری اور سماجی تجربات کے مطابق نئے مفہیم عطا کیے۔ فیض احمد فیض نے بھی غزل کی اسی رومانوی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے عشق کو محض ذاتی جذبے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے انسانی اور اجتماعی تجربے سے وابستہ کیا۔<sup>5</sup> ان کے ہاں محبوب کا تصور بسا اوقات وطن، آزادی، انسانیت اور بہتر معاشرے کی خواہش کا علامتی روپ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہجر صرف محبوب سے جدائی نہیں رہتا بلکہ آزادی، انصاف اور انسانی وقار سے محرومی کی کیفیت بھی بن جاتا ہے۔ فیض کی غزل میں روایتی رومانوی علامتیں اپنی جمالیاتی کشش برقرار رکھتے ہوئے نئے سماجی اور سیاسی مفہیم پیدا کرتی ہیں۔<sup>6</sup> ان کی معروف غزل میں یہ شعر اسی معنوی وسعت کی طرف اشارہ کرتا ہے: "گلشن یاد میں گر آج دم باد صبا / پھر سے چاہے کہ کرے عطر فشاں، کیا کہیے"۔ یہاں گلشن اور باد صبا جیسی کلاسیکی علامات یاد، امید اور جذباتی وابستگی کے وسیع تر احساس کو ابھارتی ہیں۔ فیض کی یہ فنی خصوصیت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ انہوں نے

<sup>3</sup> Dryland, Estelle. Faiz Ahmad Faiz (1911–1984): Urdu Poet of Social Realism. Lahore: Vanguard Books, 1993.p.46

<sup>4</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نظم: "مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ"، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 69

<sup>5</sup> Narang, Gopi Chand. The Urdu Ghazal: A Gift of India's Composite Culture. Translated by Surinder Deol. New Delhi: Oxford University Press, 2020.p.132

<sup>6</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء



کلاسیکی غزل کی زبان اور علامتی نظام کو رد کرنے کے بجائے اسے نئے تاریخی تجربے کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ چنانچہ ان کی غزل میں رومان اور حقیقت، ذاتی احساس اور اجتماعی شعور، حسن اور مزاحمت ایک دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔ یہی معنوی توسیع فیض کو جدید اردو غزل کی روایت میں ایک منفرد اور اہم مقام عطا کرتی ہے۔

### فیض کے ہاں رومان اور سیاست کا باہمی تعلق

فیض احمد فیض کی شاعری میں رومان اور سیاست دو الگ اور متضاد جہتیں نہیں بلکہ ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھنے والے فکری اور جمالیاتی عناصر ہیں۔ فیض نے کلاسیکی اردو غزل کی رومانوی زبان، علامتوں اور استعارات کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی تجربات سے ہم آہنگ کیا۔ ان کے ہاں عشق محض محبوب سے وابستہ ایک شخصی جذبہ نہیں رہتا بلکہ انسانی آزادی، مساوات اور اجتماعی خوش حالی کی آرزو میں وسعت اختیار کرتا ہے۔ اسی لیے محبوب، ہجر، شب، سحر، گل اور بہار جیسی روایتی علامات ان کی شاعری میں نئے سیاسی مفہیم پیدا کرتی ہیں۔ فیض کی معروف نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ" اس فکری تبدیلی کی واضح مثال ہے، جہاں شاعر ذاتی عشق کے دائرے سے نکل کر معاشرے کے محروم انسانوں کے دکھ کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔<sup>7</sup> نظم کا مصرع "اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا" ذاتی محبت کو اجتماعی انسانی دکھ کے وسیع تر تناظر میں رکھتا ہے۔ اسی طرح ان کی غزل "ہم دیکھیں گے" میں رومانوی اور مذہبی علامتی زبان ایک واضح سیاسی اور مزاحمتی مفہوم اختیار کرتی ہے، جہاں ظلم کے خاتمے اور عوامی اقتدار کی امید کو شعری پیکروں میں پیش کیا گیا ہے۔ اس فنی طریقہ اظہار کے ذریعے فیض نے سیاسی فکر کو براہ راست نعرے کے بجائے جمالیاتی تجربے میں تبدیل کیا۔<sup>8</sup> ان کی شاعری میں محبت کی زبان مزاحمت کی زبان بن جاتی ہے اور ذاتی کرب اجتماعی شعور کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہی رومان اور سیاست کا امتزاج فیض کی غزل کو جدید اردو شاعری میں منفرد بناتا ہے اور ان کے شعری اسلوب کی سب سے اہم فکری خصوصیات میں شمار ہوتا ہے۔

### فیض کی غزل میں رومانوی علامتوں کی معنویت

فیض احمد فیض کی غزل میں رومانوی علامات محض عشق و محبت کے روایتی اظہار تک محدود نہیں رہتیں بلکہ اپنے اندر وسیع تر انسانی، سماجی اور سیاسی مفہیم سمو لیتی ہیں۔ کلاسیکی اردو غزل میں محبوب، عشق، ہجر، وصال، شب، سحر، گل اور بہار جیسی علامات بنیادی رومانوی تجربے کی نمائندگی کرتی ہیں، لیکن فیض ان علامتوں کو اپنے عہد کے اجتماعی تجربے سے مربوط کر کے ان کی معنوی حدود وسیع کر دیتے ہیں۔ ان کے ہاں محبوب کا تصور کبھی فرد کی محبت کا استعارہ بنتا ہے اور کبھی وطن، آزادی یا انسانی آرزو کی علامتی صورت اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح ہجر صرف محبوب سے جدائی کا احساس نہیں بلکہ محرومی، جبر اور نامکمل آزادی کی کیفیت بھی بن جاتا ہے۔ شب تاریکی، ظلم اور مایوسی کی علامت بن سکتی ہے، جب کہ سحر امید، تبدیلی اور نجات کے امکان کو ظاہر کرتی ہے۔ گل اور بہار زندگی، حسن اور مستقبل کی امید کے ساتھ ساتھ اجتماعی بیداری کے مفہیم بھی پیدا کرتے ہیں۔<sup>10</sup> فیض کی فنی جدت یہ ہے کہ وہ روایتی علامت کو اس کے کلاسیکی پس منظر سے کاٹتے نہیں بلکہ اسی تہذیبی سرمائے کے اندر سے نئے معنی پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی غزل میں رومانوی علامت جمالیاتی لطف<sup>11</sup> کے ساتھ ساتھ فکری اور مزاحمتی شعور کا وسیلہ بھی بن جاتی ہے۔ یہی معنوی وسعت فیض کی غزل کو جدید اردو شاعری میں ایک منفرد اور قابل مطالعہ شعری تجربہ بناتی ہے۔

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات

<sup>7</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء

<sup>8</sup> Dryland, Estelle. Faiz Ahmad Faiz (1911–1984): Urdu Poet of Social Realism. Lahore: Vanguard Books, 1993, p 189

<sup>9</sup> رومانوی: اس سے مراد محبت، عشق، محبوب، ہجر و وصال اور جذباتی وابستگی سے متعلق وہ جمالیاتی اور جذباتی کیفیت ہے جو ادب میں انسانی احساسات کے اظہار کا ذریعہ بنتی ہے۔ فیض کے ہاں رومانوی عناصر محض ذاتی عشق تک محدود نہیں رہتے بلکہ وسیع تر انسانی، سماجی اور سیاسی معنویت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔

<sup>10</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء ص 78

<sup>11</sup> جمالیاتی لطف: ادبی تخلیق میں حسن، لطافت، دل کشی اور فنکارانہ اظہار سے پیدا ہونے والی وہ خوش گوار کیفیت جو قاری کو فنی اور جذباتی مسرت فراہم کرے۔



تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے<sup>12</sup>

ان اشعار میں محبوب محض ایک شخصی محبوب نہیں بلکہ حسن، زندگی اور معنوی مسرت کے ایک وسیع تصور کی علامت بن جاتا ہے۔ "بہار" کی علامت محبوب کی موجودگی کو زندگی کے حسن اور تسلسل سے وابستہ کرتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں شاعر کی توجہ محبوب کی آنکھوں پر مرکوز ہے، جو رومانوی وابستگی اور جمالیاتی مرکزیت کو ظاہر کرتی ہے۔ تاہم فیض کے وسیع تر شعری نظام میں یہی رومانوی زبان آگے چل کر اجتماعی زندگی کے دکھ اور انسانی آرزو سے جڑ جاتی ہے۔ یوں محبت کا شخصی تجربہ فیض کے ہاں انسانی وجود اور زندگی کی معنوی معنویت تک وسعت اختیار کرتا ہے۔

### محبوب اور عشق کی علامت

فیض احمد فیض کی شاعری میں محبوب اور عشق کی علامتیں کلاسیکی اردو غزل کی رومانوی روایت سے وابستہ ہونے کے باوجود نئے معنوی امکانات پیدا کرتی ہیں۔ ان کے ہاں محبوب محض ایک شخصی وجود نہیں بلکہ حسن، زندگی، امید اور انسانی آرزو کی علامت بھی بن جاتا ہے۔ عشق کی کیفیت بھی صرف ذاتی وصال یا فراق تک محدود نہیں رہتی بلکہ اجتماعی زندگی کے دکھ اور محرومی سے جڑ جاتی ہے۔ فیض کے شعری تصور میں محبت انسان کو اپنے گرد و پیش کے حالات سے بے خبر کرنے کے بجائے سماجی حقیقت کا ادراک عطا کرتی ہے۔ اسی لیے ان کے ہاں محبوب کی جمالیاتی کشش اور معاشرے کے مظلوم انسانوں کا دکھ ایک ہی شعری تجربے میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس معنوی تبدیلی کے نتیجے میں عشق انفرادی جذبے سے آگے بڑھ کر انسانی ہمدردی اور اجتماعی شعور کی علامت بن جاتا ہے۔ فیض کی یہ فنی خصوصیت ان کی رومانوی زبان کو سیاسی اور سماجی معنویت عطا کرتی ہے۔ چنانچہ محبوب اور عشق کے روایتی پیکر ان کے ہاں انسانی آزادی، انصاف اور بہتر مستقبل کی خواہش سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات

تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے<sup>13</sup>

ان اشعار میں محبوب کی صورت کو "بہار" کے استعارے سے وابستہ کیا گیا ہے، جس سے محبوب حسن اور زندگی کے تسلسل کی علامت بن جاتا ہے۔ "بہار" یہاں محض فطری حسن نہیں بلکہ زندگی کی تازگی اور امید کا احساس بھی پیدا کرتی ہے۔ تاہم فیض کے شعری نظام میں یہی رومانوی کیفیت آگے چل کر اجتماعی انسانی تجربے سے مربوط ہوتی ہے۔ اس طرح محبوب کا شخصی تصور وسیع ہو کر انسانی زندگی کے حسن اور معنوی آسودگی کی علامت بن جاتا ہے۔ یہی معنوی وسعت فیض کے ہاں عشق کو محض شخصی جذبے کے بجائے ایک وسیع انسانی قدر میں تبدیل کرتی ہے۔

### ہجر و وصال کی سیاسی معنویت

فیض احمد فیض کی غزل میں ہجر اور وصال محض ذاتی عشق کی کیفیات نہیں بلکہ وسیع تر انسانی اور اجتماعی تجربے کی علامتیں بھی بن جاتی ہیں۔ کلاسیکی غزل میں ہجر محبوب سے دوری اور وصال محبوب سے قربت کی نمائندگی کرتا ہے، لیکن فیض کے ہاں یہ مفہیم اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ ہجر کی کیفیت محرومی، بے وطنی، قید اور آزادی سے دوری کا احساس پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس وصال امید، آزادی اور مطلوبہ منزل کے حصول کی علامت بن سکتا ہے۔ فیض ذاتی عشق کے جذبات کو اجتماعی زندگی کے دکھ اور آرزو سے اس طرح وابستہ کرتے ہیں کہ عاشق کا فراق ایک مظلوم معاشرے کے اجتماعی فراق میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس معنوی توسیع سے رومانوی تجربہ سیاسی شعور کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ یوں ہجر اور وصال فیض کے شعری نظام میں صرف جذباتی کیفیتیں نہیں رہتے بلکہ تاریخی اور اجتماعی تجربات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں<sup>14</sup>

<sup>12</sup> نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ"، ص 69

<sup>13</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 69۔ نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ"

<sup>14</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، غزل "کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں"، ص 259



اس شعر میں "رات" اور "بجر" دونوں روایتی رومانوی علامات ہیں، مگر ان کی معنویت صرف محبوب سے جدائی تک محدود نہیں رہتی۔ بجر کی رات ایک طویل محرومی اور انتظار کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے، جب کہ اس رات کا اختتام امید اور نجات کے امکان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فیض کے وسیع تر شعری تناظر میں ایسی علامتیں سیاسی بجر کے خاتمے اور آزادی کی آرزو سے بھی مربوط ہو جاتی ہیں۔ اس طرح وصال محض محبوب کا قرب نہیں بلکہ ایک بہتر اور آزاد انسانی مستقبل کی علامتی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہی معنوی وسعت فیض کی رومانوی شاعری کو اجتماعی شعور سے جوڑتی ہے۔

### شب اور سحر کی علامتیں

فیض احمد فیض کی غزل میں "شب" اور "سحر" ایسی اہم علامتیں ہیں جو رومانوی کیفیت سے آگے بڑھ کر سیاسی اور اجتماعی مفہیم پیدا کرتی ہیں۔ کلاسیکی شعری روایت میں شب عموماً بجر، انتظار اور تنہائی کی نمائندگی کرتی ہے، جب کہ سحر وصال، امید اور راحت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ فیض اسی روایتی علامتی نظام کو اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی تجربات سے مربوط کرتے ہیں۔ ان کے ہاں شب ظلم، بجر، قید اور مایوسی کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتی ہے، جبکہ سحر آزادی، امید اور تبدیلی کے امکان کو ظاہر کرتی ہے۔ اس طرح رات کا طویل ہونا اجتماعی محرومی اور انتظار کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ سحر کی آمد محض وقت کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک نئے تاریخی امکان کی علامت بن جاتی ہے۔ فیض کی فنی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سیاسی حقیقت کو براہ راست بیان کرنے کے بجائے جمالیاتی اور علامتی پیرایے میں پیش کرتے ہیں۔ اسی لیے شب اور سحر ان کی شاعری میں رومانوی تجربے اور مزاحمتی شعور کے درمیان ایک اہم رابطہ قائم کرتی ہیں۔

یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر

وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں<sup>15</sup>

اس شعر میں "سحر" روایتی طور پر امید اور نجات کی علامت ہے، لیکن شاعر اس سحر کو "داغ داغ" اور "شب گزیدہ" قرار دے کر آزادی کے نامکمل تجربے کو نمایاں کرتا ہے۔ یہاں رات صرف تاریکی نہیں بلکہ ایک ایسے تاریخی دور کی علامت ہے جس کے اثرات سحر کے آنے کے باوجود باقی ہیں۔ "سحر" اس امید کی نمائندگی کرتی ہے جس کا انتظار کیا گیا تھا، مگر حاصل ہونے والی حقیقت توقع کے مطابق نہیں نکلی۔ اس طرح رومانوی علامت ایک گہری سیاسی معنویت اختیار کر لیتی ہے اور آزادی، مایوسی اور نامکمل انقلاب کے احساس کو ظاہر کرتی ہے۔ فیض کا یہی علامتی اسلوب ذاتی احساس کو اجتماعی تاریخی شعور سے جوڑتا ہے۔

### گل، چمن اور بہار کی سیاسی علامتیں

فیض احمد فیض کی غزل میں گل، چمن اور بہار کی علامات روایتی رومانوی مفہیم کے ساتھ سیاسی اور اجتماعی معنویت بھی پیدا کرتی ہیں۔ کلاسیکی غزل میں گل عموماً حسن و جمال، چمن محبوب کی دنیا اور بہار خوش حالی و نشاط کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ فیض ان روایتی علامتوں کو اپنے عہد کے اجتماعی تجربے سے مربوط کر کے ان کے مفہیم میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں چمن کبھی ایک ایسے معاشرے کی علامت بن جاتا ہے جہاں آزادی اور امن کی آرزو موجود ہے، جبکہ قفس اور گرفتاری اس کے مقابل بجر اور پابندی کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ گل کی نزاکت کے ساتھ اس کی رنگینی زندگی، امید اور مزاحمت کے امکانات کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ بہار اس امید کی علامت بن سکتی ہے جو طویل بجر اور محرومی کے بعد تبدیلی کی خواہش پیدا کرتی ہے۔<sup>16</sup> اس طرح فیض کے شعری نظام میں فطری مناظر محض جمالیاتی حسن کا ذریعہ نہیں رہتے بلکہ اجتماعی حالات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ گل اور چمن کی روایتی رومانوی زبان کو سیاسی معنویت عطا کر کے فیض نے غزل کے کلاسیکی علامتی نظام کو جدید تاریخی شعور سے ہم آہنگ کیا۔

<sup>15</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 1992ء، نظم "صبح آزادی"، ص 148

<sup>16</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص 264



یہی فنی عمل ان کے ہاں رومانوی علامت کو مزاحمت، امید اور اجتماعی آزادی کے تصور سے جوڑتا ہے۔

گلوں میں رنگ بھرے، بادِ نو بہار چلے

چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے<sup>17</sup>

اس شعر میں گلوں، رنگ، بادِ نو بہار اور گلشن سب روائیتی رومانوی علامات ہیں، لیکن ان کے باہمی تعلق سے ایک وسیع تر اجتماعی معنویت پیدا ہوتی ہے۔ ”بہار“ تبدیلی، تازگی اور نئی زندگی کی علامت بنتی ہے، جبکہ ”گلشن کا کاروبار“ زندگی کے دوبارہ متحرک ہونے کا تصور پیش کرتا ہے۔ محبوب کی آمد کو بہار کے چلنے اور گلشن کے آباد ہونے سے جوڑ کر فیض محبت کو زندگی کی تجدید کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ اسی علامتی نظام کو سیاسی تناظر میں دیکھا جائے تو گلشن ایک بہتر معاشرے اور بہار آزادی و اجتماعی امید کی علامت بن سکتی ہے۔ یوں ایک بظاہر رومانوی شعر اپنے اندر تبدیلی اور اجتماعی زندگی کی بحالی کا امکان بھی سمولیتا ہے۔

غمِ جاناں سے غمِ دوراں تک معنوی سفر

فیض احمد فیض کی غزل کا بنیادی فکری امتیاز یہ ہے کہ ان کے ہاں غمِ جاناں رفتہ رفتہ غمِ دوراں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کلاسیکی غزل میں عاشق کا دکھ عموماً محبوب کی بے رخی، ہجر اور فراق سے وابستہ ہوتا ہے، لیکن فیض اس ذاتی تجربے کو اپنے عہد کے اجتماعی مسائل سے مربوط کرتے ہیں۔ ان کے ہاں محبوب کی یاد کے ساتھ معاشرتی محرومی، سیاسی جبر اور انسانی دکھ کا احساس بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس طرح عشق ایک محدود شخصی تجربہ نہیں رہتا بلکہ اجتماعی زندگی کے مسائل کو محسوس کرنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ فیض کی غزل میں ”غمِ روزگار“ جیسی ترکیبات اسی معنوی تبدیلی کی واضح مثال ہیں۔ ذاتی کرب جب اجتماعی شعور سے وابستہ ہوتا ہے تو رومانوی زبان میں ایک نئی سیاسی معنویت پیدا ہوتی ہے۔ یہی عمل فیض کے شعری اظہار کو محض رومانوی شاعری سے بلند کر کے انسانی اور مزاحمتی شاعری کی سطح پر لے جاتا ہے۔ اس معنوی سفر میں ”غمِ جاناں“ اور ”غمِ دوراں“ ایک دوسرے کے متبادل نہیں بلکہ باہم مربوط تجربات بن جاتے ہیں۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا

تجھ سے بھی دلفریب ہیں غمِ روزگار کے<sup>18</sup>

اس شعر میں فیض نے ”تیری یاد“ کے رومانوی تصور کو ”غمِ روزگار“ کے اجتماعی تجربے کے ساتھ براہِ راست جوڑ دیا ہے۔ محبوب کی یاد سے بیگانگی صرف عشق کی کمزوری نہیں بلکہ زندگی کے معاشرتی مسائل کی شدت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ ”غمِ روزگار“ یہاں فرد کے معاشی اور سماجی مسائل کو وسیع تر انسانی کرب کی علامت بناتا ہے۔ یوں ذاتی محبت کے مقابل اجتماعی زندگی کے دکھ زیادہ طاقتور دکھائی دیتے ہیں۔ یہ شعر فیض کے اس فکری سفر کی نہایت واضح مثال ہے جس میں غمِ جاناں بتدریج غمِ دوراں میں وسعت اختیار کرتا ہے۔

ذاتی عشق سے اجتماعی شعور تک

فیض احمد فیض کی غزل میں ذاتی عشق ایک محدود شخصی تجربہ نہیں رہتا بلکہ رفتہ رفتہ اجتماعی شعور کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ان کے ہاں محبوب سے وابستہ جذبات انسانی زندگی کے وسیع تر مسائل سے جڑ جاتے ہیں۔ عشق کی داخلی کیفیت شاعر کو اپنے عہد کے خارجی حالات سے بے خبر کرنے کے بجائے ان کا ادراک عطا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فیض کے ہاں محبت کے ساتھ غربت، محرومی، جبر اور اجتماعی دکھ کا احساس بھی نمایاں ہوتا ہے۔ ذاتی عشق کا یہ پھیلاؤ ان کی شاعری میں فرد اور معاشرے کے درمیان ایک مضبوط رشتہ قائم کرتا ہے۔ محبوب کی یاد کبھی وطن، آزادی اور انسانی وقار کی آرزو سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ اس طرح عاشق کا ذاتی احساس ایک ایسے اجتماعی تجربے میں تبدیل

<sup>17</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ص 264

<sup>18</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ص 63۔ غزل: ”دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے“



ہو جاتا ہے جس میں پورا معاشرہ شریک دکھائی دیتا ہے۔ فیض کی فنی کامیابی یہی ہے کہ وہ سیاسی شعور کو براہ راست نعرے کے بجائے عشق کی مانوس اور جمالیاتی زبان میں بیان کرتے ہیں۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا

تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے<sup>19</sup>

اس شعر میں محبوب کی یاد اور ”غم روزگار“ ایک ہی شعری فضا میں جمع ہو گئے ہیں۔ شاعر کا ذاتی عشق معاشرتی زندگی کے مسائل کے مقابل تنہا نہیں رہتا بلکہ روزگار کے غم اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ”غم روزگار“ کی ترکیب ذاتی احساس کو معاشی اور اجتماعی حقیقت سے جوڑتی ہے۔ یوں محبوب سے وابستگی ایک وسیع انسانی تجربے میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ذاتی عشق اجتماعی شعور کی بنیاد بن جاتا ہے۔ یہی معنوی تبدیلی فیض کی غزل میں رومانوی جذبے کو سماجی اور سیاسی معنویت عطا کرتی ہے۔

انفرادی کرب سے اجتماعی دکھ تک

فیض احمد فیض کی غزل میں انفرادی کرب<sup>20</sup> ایک محدود شخصی احساس کے طور پر سامنے آکر اجتماعی دکھ کی وسیع صورت اختیار کرتا ہے۔ ان کے ہاں عاشق کی محرومی، تنہائی اور اضطراب اپنے عہد کے مظلوم انسان کی محرومی اور بے بسی سے جڑ جاتے ہیں۔ اس طرح ذاتی دکھ محض جذباتی کیفیت نہیں رہتا بلکہ معاشرتی حقیقت کو سمجھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ فیض فرد کے داخلی تجربے کو اجتماعی حالات سے مربوط کر کے انسانی دکھ کی مشترکہ معنویت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں زخم، خاموشی، زنجیر اور قید جیسی علامات فرد کے ساتھ پورے معاشرے کے کرب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کا ذاتی تجربہ قاری کے لیے اجتماعی تجربے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ فیض کی شعری بصیرت انفرادی درد کو مزاحمت اور اجتماعی شعور میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یوں ان کی غزل میں شخصی کرب، انسانی ہمدردی اور اجتماعی جدوجہد کے درمیان ایک مضبوط معنوی رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے

کہ خون دل میں ڈوبی ہیں انگلیاں میں نے<sup>21</sup>

ان اشعار میں شاعر کا ذاتی کرب اظہار کی قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ”لوح و قلم“ کا چھن جانا اظہار رائے پر پابندی اور ”زبان“ پر عائد جبر کی علامت ہے، جب کہ ”خون دل“ سے لکھنے کا تصور اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ظلم شاعر کے اظہار کو ختم نہیں کر سکتا۔ اس طرح فرد کی تکلیف ایک ایسے اجتماعی تجربے کی نمائندہ بن جاتی ہے جس میں اظہار کی آزادی سے محروم تمام انسان شامل ہیں۔ شعر میں کرب کے ساتھ مزاحمت کا جذبہ بھی موجود ہے، اس لیے ذاتی دکھ اجتماعی احتجاج کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہی انفرادی کرب سے اجتماعی دکھ تک فیض کے شعری سفر کی اہم خصوصیت ہے۔

فیض کی غزل میں سیاسی معنویت

فیض احمد فیض کی غزل میں سیاسی معنویت ان کے شعری نظام کی ایک اہم اور نمایاں جہت ہے، جس کے ذریعے انہوں نے کلاسیکی رومانوی اسلوب کو اپنے عہد کے سماجی اور سیاسی مسائل سے مربوط کیا۔ ان کے ہاں سیاست محض براہ راست سیاسی بیان یا نعرے کی صورت میں سامنے نہیں آتی بلکہ عشق، ہجر، محبوب، شب، سحر، گل اور چمن جیسی روایتی شعری علامتوں کے ذریعے ایک گہری معنوی سطح پر تشکیل پاتی ہے۔ فیض نے غزل کی روایتی جمالیات کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں آزادی، انسانی وقار، ظلم کے خلاف

<sup>19</sup> فیض احمد فیض، ”دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے“، نسخہ ہائے وفا، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 73

<sup>20</sup> انفرادی کرب سے مراد انسان کی ذاتی زندگی میں پیدا ہونے والا دکھ، درد، محرومی اور ذہنی اضطراب ہے۔ یہ کیفیت عموماً جدائی، ناکامی، تنہائی یا کسی جذباتی صدمے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ فیض کے ہاں یہ ذاتی کرب صرف فرد کے داخلی احساس تک محدود نہیں رہتا بلکہ اجتماعی محرومی اور انسانی دکھ کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔

<sup>21</sup> فیض احمد فیض، ”متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے“، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 2009ء، ص 107



مزاحمت اور اجتماعی انصاف کے تصورات شامل کیے۔ ان کی شاعری میں ذاتی دکھ اکثر اجتماعی دکھ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور محبوب کا تصور بھی وسیع تر انسانی یا اجتماعی آرزو کی علامت بن سکتا ہے۔<sup>22</sup> اسی وجہ سے ان کی غزل میں رومان اور سیاست ایک دوسرے سے الگ نہیں رہتے بلکہ باہم مربوط شعری تجربہ تشکیل دیتے ہیں۔ فیض کی سیاسی معنویت کا بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ نظریاتی فکر کو جمالیاتی اور علامتی زبان میں ڈھالتے ہیں، جس سے سیاسی اظہار محض احتجاج نہیں رہتا بلکہ ایک بامعنی شعری تجربہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ فیض کی غزل میں سیاسی شعور کو سمجھنے کے لیے ان کے رومانوی استعاروں اور علامتوں کے نئے معنوی رشتوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ یہی مطالعہ واضح کرتا ہے کہ کس طرح غم جاناں، عشق اور جمالیات کے روایتی پیکر غم دوراں، مزاحمت اور اجتماعی آزادی کے شعور سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

### رومانوی زبان میں سیاسی احتجاج

فیض احمد فیض کی غزل میں سیاسی احتجاج براہ راست نعرہ بننے کے بجائے رومانوی زبان اور شعری علامتوں کے ذریعے اظہار پاتا ہے۔ وہ محبوب، عشق، ہجر، شب، سحر اور بہار جیسے مانوس پیکروں کو اس انداز سے برتتے ہیں کہ ان کے اندر اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ فیض کے ہاں محبوب سے گفتگو بسا اوقات وطن، آزادی اور انسانی حقوق سے مکالمے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح ہجر اور محرومی کی کیفیت سیاسی جبر اور اجتماعی بے بسی کی علامت بن جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں احتجاج کی شدت کے باوجود زبان جمالیاتی اور تہذیبی دائرے میں رہتی ہے، جس سے سیاسی مضمون شعری حسن کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ یہی فنی طریقہ فیض کو محض سیاسی شاعر بننے سے بچاتا اور انہیں ایک ایسے شاعر کے طور پر نمایاں کرتا ہے جو سیاسی حقیقت کو رومانوی جمالیات کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ اس طرح رومانوی زبان خود مزاحمت کا وسیلہ بن جاتی ہے اور عشق کی علامتیں ظلم کے خلاف ایک خاموش مگر مؤثر احتجاج میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دل ریزہ ریزہ گنوا دیا

جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، تن داغ داغ لٹا دیا<sup>23</sup>

اس شعر میں ”دل“ اور ”سنگ“ جیسی علامتیں ایک گہرے داخلی کرب کو ظاہر کرتی ہیں، مگر ان کے پیچھے اجتماعی شکست اور مزاحمت کا احساس بھی موجود ہے۔ ”تن داغ داغ“ مسلسل اذیت اور ظلم کے تجربے کی علامت بنتا ہے، جب کہ ”سنگ سمیٹنے“ کا تصور شکست کے بعد باقی ماندہ قوت کو جمع کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یوں رومانوی اور جمالیاتی زبان ایک ایسے احتجاجی احساس کو جنم دیتی ہے جس میں دکھ کے ساتھ مزاحمت بھی شامل ہے۔ فیض کا یہی انداز سیاسی احتجاج کو براہ راست بیان کرنے کے بجائے شعری استعارے میں تبدیل کرتا ہے۔

### آزادی اور انسانی وقار کی علامتیں

فیض احمد فیض کی غزل میں آزادی اور انسانی وقار براہ راست سیاسی اصطلاحات کے بجائے رومانوی اور علامتی پیرایے میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں آرزو، جستجو، منزل اور سفر جیسی علامتیں انسان کی آزادی اور بہتر مستقبل کی تلاش کی نمائندگی کرتی ہیں۔ فیض کے نزدیک کسی مطلوبہ منزل کا حصول صرف شخصی کامیابی نہیں بلکہ انسانی وقار اور اجتماعی زندگی کی بہتری سے بھی وابستہ ہے۔ اسی لیے محرومی کے باوجود جستجو جاری رہنا ان کی شاعری میں امید اور مزاحمت کی علامت بن جاتا ہے۔ رومانوی زبان میں بیان ہونے والی آرزو سیاسی معنویت اختیار کر کے آزادی کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ اس شعری رویے میں انسان شکست اور محرومی کے باوجود اپنی خواہش اور جدوجہد سے دست بردار نہیں ہوتا۔ فیض کی غزل کا یہی پہلو انسانی وقار کو مزاحمتی شعور کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔

<sup>22</sup> Jalil, Rakhshanda. Liking Progress, Loving Change: A Literary History of the Progressive Writers' Movement in Urdu. New Delhi: Oxford University Press, 2014, p156

<sup>23</sup> فیض احمد فیض، ”نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دل ریزہ ریزہ گنوا دیا“، نسخہ ہائے وفاء، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ص 89



یوں عشق کی آرزو ایک وسیع تر انسانی آرزو میں تبدیل ہو کر آزادی، امید اور مسلسل جدوجہد کی علامت بن جاتی ہے۔

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی

نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی<sup>24</sup>

اس شعر میں منزل، جستجو، وصال اور آرزو چاروں الفاظ ایک گہری علامتی معنویت رکھتے ہیں۔ منزل مطلوبہ مقصد اور جستجو مسلسل جدوجہد کی علامت بن جاتی ہے۔ شاعر منزل کے عدم حصول کو مایوسی کا سبب نہیں بناتا بلکہ جستجو کو برقرار رکھنے کی بات کرتا ہے۔ یہی رویہ انسانی وقار کا بنیادی تصور پیش کرتا ہے کہ محرومی کے باوجود انسان اپنی آرزو اور جدوجہد سے دست بردار نہ ہو۔ سیاسی تناظر میں یہ شعر آزادی کے حصول کے لیے مسلسل کوشش اور امید کی علامت کے طور پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

**ظلم و جبر کے خلاف شعری اظہار**

فیض احمد فیض کی غزل میں ظلم و جبر کے خلاف احتجاج ایک بنیادی فکری اور مزاحمتی پہلو کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ سیاسی جبر کو محض براہ راست بیان نہیں کرتے بلکہ اسے قید، زخم، خون، شب، خاموشی اور محرومی جیسی علامتوں کے ذریعے شعری تجربے میں ڈھالتے ہیں۔ ان کے ہاں مظلوم انسان کی تکلیف ذاتی دکھ کی سطح سے بلند ہو کر اجتماعی کرب کی صورت اختیار کرتی ہے۔ ظلم کے مقابل خاموش رہنے کے بجائے فیض کا شعری لہجہ انسانی آزادی اور حق اظہار کی حمایت کرتا ہے۔ ان کی غزل میں مزاحمت محض سیاسی مخالفت نہیں بلکہ انسانی وقار کے تحفظ کی اخلاقی جدوجہد بھی ہے۔ اسی لیے جبر کے خلاف احتجاج ان کے ہاں نفرت کے بجائے امید اور بہتر مستقبل کے تصور سے وابستہ رہتا ہے۔ فیض کی شعری زبان کا جمالیاتی حسن سیاسی احتجاج کو زیادہ مؤثر اور دیر پا بناتا ہے۔ یوں ان کی غزل ظلم کے خلاف آواز بھی بنتی ہے اور انسان کے آزاد اور باوقار وجود کی ترجمان بھی۔

گلشن یاد میں گر آج دم باد صبا

پھر سے چاہے کہ کرے عطر فشاں، کیا کیسے<sup>25</sup>

اس شعر میں ”گلشن یاد“ اور ”باد صبا“ اظہارِ رومانوی اور جمالیاتی علامات ہیں، لیکن فیض کے شعری نظام میں گلشن ایک ایسے اجتماعی ماحول کی علامت بن سکتا ہے جسے جبر اور محرومی نے متاثر کیا ہو۔ باد صبا کا آواز ندگی، تازگی اور امید کی حرکت کو ظاہر کرتا ہے۔ یوں جمود اور گھٹن کے مقابل ہوا کا چلنا تبدیلی اور نئے امکان کی علامت بن جاتا ہے۔ شعر میں احتجاج براہ راست نہیں بلکہ حسن اور امید کے پردے میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی فیض کے شعری اسلوب کی خصوصیت ہے کہ وہ مزاحمت کو رومانوی علامتوں کے ذریعے مؤثر بناتے ہیں۔

**منتخب غزلیات کا تجزیہ**

فیض احمد فیض کی غزل کا مثنوی مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ ان کے ہاں رومانوی علامتیں جامد یا ایک معنی نہیں بلکہ اپنے تاریخی اور سماجی سیاق کے ساتھ مسلسل نئے مفہیم پیدا کرتی ہیں۔ فیض کلاسیکی غزل کے اس شعری سرمائے سے استفادہ کرتے ہیں جس میں محبوب، عشق، ہجر، وصال، شب، سحر، گل اور چمن بنیادی علامتیں ہیں، لیکن انہیں جدید عہد کے سیاسی تجربے سے مربوط کر کے ایک نئی معنوی سطح عطا کرتے ہیں۔ ان کی غزل میں ”محبوب“ بسا اوقات محض فرد محبوب نہیں رہتا بلکہ انسانی آرزو، وطن یا آزادی کے وسیع تصور سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ”ہجر“ ذاتی فراق کے ساتھ اجتماعی محرومی اور ”سحر“ امید کے ساتھ سیاسی تبدیلی کے امکان کو ظاہر کرتی ہے۔ فیض کے شعری متن میں رومان اور سیاست کے درمیان یہی معنوی انتقال ان کے اسلوب کی بنیادی شناخت بنتا ہے۔ ان کی زبان میں حسن و عشق کی نزاکت موجود رہتے ہوئے بھی معاشرتی حقیقت کا کرب مسلسل محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں سیاسی احتجاج نعرے کی صورت اختیار کرنے کے بجائے علامت، استعارے اور تہذیبی حوالوں کے ذریعے تشکیل پاتا ہے۔ یہ شعری حکمت عملی فیض کو نظریاتی شاعری کے سطحی پن سے محفوظ رکھتی ہے اور ان کے سیاسی شعور کو جمالیاتی قوت عطا کرتی ہے۔ منتخب غزلیات کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فیض ذاتی تجربے کو اجتماعی تجربے میں تبدیل کرنے کے لیے داخلی اور خارجی دنیا کے درمیان ایک مسلسل ربط قائم کرتے ہیں۔ ”غم جاناں“ اسی ربط کے ذریعے ”غم دوراں“ میں وسعت اختیار کرتا ہے اور عاشق کا شخصی کرب مظلوم انسان کے اجتماعی دکھ کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ فیض کے ہاں محبت فرار کا وسیلہ نہیں بلکہ حقیقت زندگی کا سامنا کرنے کی اخلاقی قوت بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رومانوی علامتیں سیاسی معنویت حاصل کرتے ہوئے انسانی آزادی، انصاف اور وقار کے تصورات سے مربوط ہو جاتی ہیں۔ مثنوی سطح پر فیض کی سب سے اہم فنی کامیابی یہی ہے کہ وہ روایتی علامت کو ختم نہیں کرتے بلکہ اس کے اندر نئے تاریخی

<sup>24</sup> Dryland, Estelle. Faiz Ahmad Faiz (1911–1984): Urdu Poet of Social Realism. Lahore: Vanguard Books, 1993, p.79

<sup>25</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، غزل: ”گلشن یاد میں گر آج دم باد صبا“، ص 91



معنی پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی غزل کا مطالعہ صرف رومانوی شاعری کے مطالعے تک محدود نہیں رہتا بلکہ اسے جدید اردو شاعری میں جمالیات اور مزاحمت کے باہمی تعلق کی ایک اہم مثال کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے  
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے<sup>26</sup>

اس شعر میں ”محبت“ بظاہر ایک شخصی اور رومانوی جذبہ ہے، لیکن ”دونوں جہان“ کی وسعت اسے محض شخصی عشق تک محدود نہیں رہنے دیتی۔ ”شبِ غم“ ہجر اور کرب کی روایتی علامت ہونے کے باوجود فیض کے وسیع شعری تناظر میں اجتماعی محرومی اور تاریخی بے چینی کا مفہوم بھی پیدا کرتی ہے۔ ”ہار کے“ کا لفظ شکست کے احساس کو ظاہر کرتا ہے، لیکن شعر کی داخلی کیفیت مکمل مایوسی پر ختم نہیں ہوتی؛ جدوجہد اور سفر کا تصور بدستور موجود رہتا ہے۔ اس طرح عشق، شکست، غم اور سفر ایک دوسرے سے مربوط ہو کر ایک ایسے انسانی تجربے کی تشکیل کرتے ہیں جس میں شخصی کرب اجتماعی معنویت اختیار کرتا ہے۔ یہی معنوی توسیع فیض کی غزل میں رومانوی علامتوں کی سیاسی تشکیل کو سمجھنے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

### نتائج تحقیق

1. تحقیق سے واضح ہوا کہ فیض کی غزل میں رومانوی علامتیں محض عشق و محبت کے اظہار تک محدود نہیں رہتیں بلکہ سیاسی، سماجی اور انسانی مفہیم بھی اختیار کرتی ہیں۔
2. فیض کے ہاں محبوب، ہجر، شب، سحر، گل اور چمن جیسی روایتی علامات اپنے کلاسیکی مفہوم سے آگے بڑھ کر آزادی، محرومی، امید اور مزاحمت کی علامت بن جاتی ہیں۔
3. مطالعے سے یہ ثابت ہوا کہ فیض ذاتی عشق اور انفرادی کرب کو اجتماعی دکھ سے مربوط کر کے غم جاناں کو غم دوراں میں تبدیل کرتے ہیں۔
4. تحقیق سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ فیض سیاسی احتجاج کو براہ راست نعرے کے بجائے رومانوی زبان، استعارے اور علامت کے ذریعے پیش کرتے ہیں، جس سے ان کے سیاسی اظہار میں جمالیاتی قوت پیدا ہوتی ہے۔
5. مجموعی طور پر فیض کی غزل میں عشق، رومان اور سیاست باہم مربوط عناصر ہیں؛ ان کا شعری نظام انسانی آزادی، وقار، انصاف اور ظلم کے خلاف مزاحمت کے وسیع تر تصور کو نمایاں کرتا ہے۔

### حوالہ جات

1. فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 63، غزل: ”دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے“
2. فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 264، غزل: ”گلوں میں رنگ بھرے، بادوں بہار چلے“
3. فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 107، ”متاع لوح و قلم چمن گئی تو کیا غم ہے“
4. فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 259، غزل: ”کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں“
5. فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، ص 69، ”مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ“
6. فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، غزل: ”نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی“
7. Estelle Dryland, Faiz Ahmad Faiz (1911–1984): Urdu Poet of Social Realism, Lahore: Vanguard Books, 1993
8. Rakhshanda Jalil, Liking Progress, Loving Change: A Literary History of the Progressive Writers' Movement in Urdu, New Delhi: Oxford University Press, 2014
9. گوپی چند نارنگ، اردو غزل: ہندوستانی تہذیب کی ایک عطیہ، نئی دہلی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس
10. سلیم اختر، فیض: شاعر اور شخصیت، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز

<sup>26</sup> فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1992ء، غزل ”دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے“ ص 93